بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام احمد رضا

اور

دو قومی نظریہ

شعبہ نشر و اشاعت

جماعت اہلسنّت پاکستان (بہاولپور ڈویژن)

واحد تقسیم کار

دفتر جمعیّت علماء پاکستان

یونیورسٹی چوک بہاولپور

نام کتابچہ	امام احمد رضا اور دو قومی نظریہ
مرتبہ	پروفیسر محمد اکرم چودھری
ناشر	جماعت اہلسنّت پاکستان (بہاولپور ڈویژن)
سنِ اشاعت	فروری ۱۹۹۴ء

مضامین

امام احمد رضا خاں بریلویؒ

میاں محبوب احمد
چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ

علم و فکر کی یہ پاکیزہ مجلس جہاں اہلِ دل اور صاحبانِ تحقیق جمع ہیں، میرے لئے نشانِ سعادت ہے۔ کہ میں بھی اس متبرک محفل میں شریک ہوں۔ ایسی برکتوں سے معمور محافل میں اہلِ محبت کیلئے سامانِ تسکین اور صاحبانِ علم کی تشنگی کو سیراب کرنے کے مواقع میسر آتے ہیں۔ یہ مقدس بزم آرائیاں ایمان و سلامتی کی غماز ہوتی ہیں۔ یہاں کی حاضری سے عقل کو جلا اور پاکیزہ فکری کو دوام نصیب ہوتا ہے۔

اس محفلِ خیر و نور میں ایک ایسے سعادت نشان کا تذکرہ ہے، جس نے اپنے کمالاتِ علمیہ سے علم و تحقیق کو نئی جہات سے روشناس کرایا۔ صاحبانِ علم و فکر کو آگہی کے نئے سراغ منور دکھائے۔ اہلِ دل کی سونی بستیوں میں آج بھی ایسے عشاق کے تذکروں سے روشنی ہوتی ہے، جنہوں نے اپنی متاعِ زلیست کو سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس چوکھٹ پر نثار کر دیا اور اہلِ محبت کیلئے یقین آفرینی کے نئے دروازے وا کر دیئے۔ اور یہ سبق عشاقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نصابِ محبت میں ہمیشہ کیلئے رقم کر دیا کہ......

ایمان کی جان محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کا دوسرا نام ہے۔

برصغیر کی تاریخ میں جب بھی عزم و ثبات، فکر و عمل اور محبت و یقین کی تاریخ رقم کی جائے گی تو مولانا احمد رضا خاں کا اسمِ گرامی بابِ اوّل میں زریں

حروف سے رقم ہوگا۔ تاریخ کیا ہے؟ یہی کہ افراد کے کردار کا تذکرہ اور اقوام کی کاوشوں پر تبصرہ۔ تاریخ افراد کا بیان کرتی ہے۔ مگر کائناتِ ارضی میں بعض افراد ایسے بھی ہوتے ہیں، جنہیں تاریخ اپنی تعمیر و زینت کیلئے برائے مدد پکارتی ہے۔

تاریخ کے اوراقِ پارینہ کو حکایتِ جدید اور دائمی زیست انہی پاکیزہ نفوس کی بدولت نصیب ہوتی ہے۔ جب روشنی کے ان میناروں سے ہدایت کا نور ضیا فرمائی کرتا ہے۔ تو ملائکہ کی محفل میں رشک و حیرانی کا ایک دراز سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور خلیفۂ الٰہی کی عظمتوں پر کائنات گواہ بن جاتی ہے۔

مجھے آج کی محفل کے ممدوح امام احمد رضاؒ کی حیات پر گفتگو کرتے ہوئے ان کی ہمہ جہت شخصیت کا تصور سامنے آتا ہے تو ان کی صفاتِ فاضلہ کے انتخاب میں دشواری آتی ہے کہ اُنکی زندگی کے کس پہلو کو بیان کروں اور کس کو ترک کروں ؎

تسخیر ماہ کا کہ تسخیر آفتاب کروں
میں کس کو ترک کروں کس کا انتخاب کروں

اِن کی قرآن فہمی سے لے کر شعر گوئی تک کے موضوعات ایک جہانِ نو لئے ہوئے ہیں۔ وہ مترجم کی حیثیت میں تو شعور و بیان اور اداء و زبان کا ایک دبستانِ جدید نظر آتے ہیں۔ جب حدیث کی بات ہو، تو نووی، عسقلانی، قسطلانی اور سیوطی یاد آجاتے ہیں۔ فقہ میں ابنِ مسعود اور ابنِ عباس کے کرمِ توجہ سے کشکولِ فکر بھرے نظر آتے ہیں۔ علمِ کلام میں امام ابو منصور ماتریدی اور اشاعرہ ائمہ عقائد کی تعلیمات اور دقتِ نظری کا نمائندہ ہیں۔ منطق

فلسفہ کا میدان امام کی شہسواریٔ فکر سے پامال ہے اور اربابِ دانش یونان امام احمد رضا کے باجگزار ہیں۔ علوم معقول و منقول کا کون سا شعبہ ہے، جس میں اعلیٰ حضرت درجۂ اجتہاد پر فائز نہیں ہیں۔ اخلاق و عمل، غیرت و حمیتِ ملّی اُن کی ذات کے نرالے پہلو ہیں۔

اصابتِ فکر میں عکسِ صدیقؓ ہے۔ حمیتِ دین میں دبدبۂ فاروقیؓ سے مزین ہیں۔ حلم و تقویٰ میں رنگِ عثمانیؓ جھلکتا ہے۔ فقر و شجاعت میں یہ فقرِ علیؓ ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی ذات ایثارِ نفسی میں دین کے لئے ایسی ڈھال ہیں کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے ایمان کی عملی تصویر دکھائی دیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی جامع شخصیت کا ہر پہلو مومنانہ اور ہر انداز مجاہدانہ ہے۔ مسلمانوں کی ہر میدان میں اُنکی رہنمائی بروقت اور فراست سے معمور تھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں برصغیر کا ہر شہر میدانِ کارزار بن گیا تھا۔ انگریزوں نے اپنی فتح کے بعد قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا تھا۔

علماء و مشائخ کا قتلِ عام ہوا۔ شعائرِ اسلام کی توہین ہوئی۔ اہلِ اسلام کی املاک ضبط کر لی گئیں۔ یورپ نے اسی غارت گری پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ اس کے مذموم مقاصد میں یہ کوشش بھی شامل تھی کہ مسلمانوں کو اُنکی تہذیبی اقدار، دین سے وابستگی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پایاں محبت کے جذبے اور الفتِ جہاد سے محروم کر دیا جائے۔ اور اس قومِ رسولِ ہاشمی کو ہر اس شئے سے محروم کر دیا جائے جو اس کی بقاء اور علیحدہ تشخص کی ضامن ہو۔

ان حالات کا اجمالی سا جائزہ ہم پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح کر دیتا ہے کہ ان حالات میں دین و ملت کی پاسداری کا فریضہ ادا

کرنا کس قدر مشکل تھا۔ امام احمد رضاؒ کی ہمہ پہلو ذات نے اس مشکل میں کس انداز سے حالات سے پنجہ آزمائی فرمائی۔

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کے الفاظ میں کہ "جس کے مقدر میں داخلی اور مذہبی فتنوں سے نبرد آزما ہونا لکھا تھا اور اس کیلئے یہ فریضہ گیا کہ وہ پیکرِ حسن وجمال منبعِ فضل وکمال، مصدر کرم ونور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کی جانب ملت کا رُخ کر دیں۔ ایک اندازے کے مطابق حضرت امام کو ۵۶ کے قریب علوم وفنون پر دسترس حاصل تھی۔ علوم جدیدہ ریاضی، لوگارتھم اور فزکس میں بہت بلند مرتبہ محقق ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر ضیاء الدین وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے آپ سے علومِ ریاضی پر گفتگو کے بعد بے ساختہ یہ اعتراف کیا کہ علم لدُنّی کے بارے میں سنا تھا۔ آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔"

اُن کے علمی مقام کی وضاحت کیلئے ایک بہت بڑے تحقیقاتی ادارے کی ضرورت ہے۔

حضرت امام رضاؒ کو علوم شرعیہ میں بے پناہ دسترس حاصل تھی اُنکے تبحرِ علمی نے ہمیشہ ہی ملتِ اسلامیہ کی دستگیری فرمائی۔ اکابرینِ ملت اور زعماء قوم اس اعتراف پر متفق ہیں کہ امام احمد رضاؒ علوم کی جامعیت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ مفکرِ اسلام شاعرِ مشرق فرماتے ہیں۔

"ہندوستان کے دورِ آخر میں مولانا احمد رضا خاںؒ جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا۔ مولانا اپنی رائے پختہ انداز میں قائم کرتے اور پھر اُس پر مضبوطی سے قائم رہتے۔ مولانا احمد رضاؒ اپنے دور کے امام ابو حنیفہؒ تھے۔ مولانا کی علمی گہرائی پر جسٹس ملک غلام علی صاحب کی رائے سماعت فرمائیے۔ "جو علمی گہرائی

ں نے ان کے یہاں پائی ہے۔ وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے عشقِ
ا اور رسولؐ تو ان کی سطر سطر سے پھوٹتا ہے۔
عبد الحیؒ لکھنوی یوں گویا ہیں۔
" فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر عبور کے سلسلے میں ان کا کوئی بھی
م عصر ان کا ہم پلہ نہیں"۔ اس پر ان کی کتاب "کفل والفقیہ" شاہد ہے۔
ن اہ معین الدین ندوی نے یوں اعتراف کیا کہ .... " ان کے عالمانہ ،
قانہ فتاویٰ مخالفین اور موافقین سب ہی کے لئے قابلِ مطالعہ ہیں۔
ڈاکٹر ایوب قادری کا خراجِ تحسین کا انداز دیکھیئے۔ " اگرچہ فاضلِ
یوی علومِ متداولہ میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ مگر فقہ میں انکا کوئی مدمقابل نہ تھا۔"
غور فرمائیے کہ علمی نشست میں سورۃ والضحیٰ کی تفسیر مسلسل چھ گھنٹے
رمائی اور آخر میں فرمایا کہ ہم نے اس سورۃ مبارکہ کی چند آیات کی تفسیر
ی ۸۰ اجزاء میں لکھی تھی۔ باقی عدم فرصت کی بنا پر نہ لکھ سکا۔
حضرت احمد رضاؒ کی علمی جداگانہ شان یہ ہے کہ آپ سے اکثر
والات جلیل القدر علماء نے فرمائے ہیں۔ مسئلے کو اس وضاحت سے بیان
رماتے کہ سائل کی تشنگی ختم ہو جاتی تھی۔ اعلیٰ عدالتیں بھی ان سے راہنمائی
اصل کرتی تھیں۔ وصیت کے مسئلے میں ۶۶ صفحات پر مشتمل فتوے چیف
ورٹ بہاولپور ارسال فرمایا تھا۔
وسعت نظری ایسی کہ ایک مرتبہ علماء نے مسلمان تعلیمی اداروں کو سرکاری
گرانٹ لینے سے منع کر دیا۔ امام احمد رضاؒ نے اس بندش کو نادرست قرار
یا اور فرمایا کہ گورنمنٹ ہم سے ٹیکس لیتی ہے۔ ہم کیوں نہ گرانٹ لیں اور
س مسئلے پر ایک مدلل کتاب رقم فرمائی۔

سیاسی میدان میں گاندھی کے فریب نے تحریکِ خلافت میں مسلمانوں کو شکست سے دوچار کر دیا تھا۔ مولانا بریلویؒ نے قبل از وقت مسئلہ خلافت کو اُجاگر کیا تھا اور ہجرت سے منع فرمایا تھا۔

اسی طرح گائے کے ذبح پر مسٹر گاندھی نے امتناع کے فتاویٰ حاصل کیے اور شعائرِ اسلام پر پابندی لگانے کا نیا انداز اختیار کیا۔ امام موصوف نے شدّت سے اس مکر کا علمی تعاقب کیا۔

امام رضاؒ نے مسلمانوں کی اجتماعی حیات کیلئے جو آئین بنایا۔ اس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاداری غیر مشروط پر رکھی۔ وہ فرنگی ہندو دہریت کا مقابلہ مصطفویت کے اس نور سے کرنا چاہتے ہیں جہاں شرارِ بولہبیت کا وہم بھی نہ گزر سکے۔ اقبالؒ بھی یہی مرض تشخیص کرتے ہیں کہ کفر و طاغوت کی سازش یہی ہے کہ ...

وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

امام احمد رضاؒ نے اس مریضانہ ذہن کی پیدا شدہ سازش کا علاج یہ تجویز کیا کہ ... ؎

ٹھوکریں کھاتے پھروگے، اُن کے در پر پڑے رہو
قافلہ تو اے رضاؒ اوّل گیا، آخر گیا

اقبالؒ و رضاؒ کا نظریہ رجوعِ ملّتِ اسلامیہ کے درد کا درماں ہے۔ اسی نظریئے پر عمل پیرائی ہماری نجات کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔ ملّتِ اسلامیہ کے عظیم فرزند اور مجاہدِ کبیر مولانا محمد علی جوہر نے اس حقیقت کو کس احسن انداز سے بیان فرمایا ہے۔

"اقبالؒ کا کمال یہ ہے کہ اس نے مسلمانوں کے ذہن و فکر کو قرآن کی طرف موڑ دیا اور مولانا احمد رضاؒ خاں کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے قلوب کو صاحبِ قرآن کیطرف موڑ دیا۔ صاحبو! مولانا احمد رضا خاںؒ کے نزدیک حریتِ ملت اور حریتِ فکر کا مصدر و ماخذ صرف اور صرف ذاتِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی ہی میں میسر آسکتا ہے۔ کائنات کی ہر قوت اور ہر طاقت قوت عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیطرف رجوع کرتی ہے۔

عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت ہی مرکزِ ایمان ہے۔ اور ملت و مذہب کی قوت مرکزیہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہی سے میسر آتی ہے۔ انہی کی ذات پاک، انہی کی محبت مدارِ جان اور ایمان ہے۔ مرکز سے گریز ہمیشہ شکست و ریخت کا سبب بنتا ہے۔

امام احمد رضاؒ کے نزدیک حریتِ فکر اور حریتِ وجود صرف اور صرف نسبتِ عشقیہ سے پیدا ہوتی ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو نسبتِ عشقی کی اس زرہِ استقامت سے مزین کیا ہے کہ جس کے بعد باطل کی کوئی فکر اور طاغوت کا کوئی حربہ جسدِ ملت پر کارگر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس وقت قلب و نگاہ اور فکر و عمل اس حسن میں ڈھل جاتا ہے۔

کروں مدح اہلِ دول رضاؒ، پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

نوٹ :۔ چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ نے یہ تقریر یکم ستمبر ۱۹۹۱ء کو کراچی میں ادارۂ تحقیقات امام رضا رحمۃ اللہ علیہ کے زیر اہتمام امام احمد رضا انٹرنیشنل کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے کی تھی۔

خوشنویس :۔ عبدالشکور پیرزادہ

اعلیٰ حضرت اور دو قومی نظریہ

پہلی جنگِ عظیم کے بعد جب مسلمانوں کیطرف سے تحریکِ خلافت کا آغاز ہوا۔ تو حالات نے نیا رخ اختیار کیا۔ اس تحریک میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، مولانا ظفر علی خاں، مولانا حسرت موہانی وغیرہم مشاہیرِ ملت شامل تھے۔ اسی زمانہ میں انڈین نیشنل کانگریس نے مسٹر گاندھی کے ایما پر ترکِ موالات کی تحریک شروع کی۔ کانگریس کا قیام اگرچہ ۱۸۸۵ء میں عمل میں آگیا تھا۔ مگر اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ حاکم و محکوم کے تعلقات کو استوار کرے اور بس بعد ازاں کامل آزادی کا مطالبہ کیا گیا۔ الغرض ۱۹۲۰ء میں کانگریس کے قوم پرست ہندو اور مسلمان اور تحریکِ خلافت کے داعی اپنے مشترکہ دشمن انگریز کے خلاف متحد ہو گئے۔ ہر شخص ترکِ موالات پر تُلا ہوا تھا۔ مخالفت کی کسی کو جرأت نہ تھی۔ جوشِ جنون میں انگریزوں سے ترکِ موالات بلکہ ترکِ معاملت کر کے کفار و مشرکین سے دوستی اور محبت کیلئے ہاتھ بڑھایا گیا۔

ہندو مسلم اتحاد کے مؤید اور ہمارے محترم بزرگ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی جب امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تحریک میں شمولیت کی دعوت دی تو آپ نے صاف صاف فرما دیا۔ "مولانا میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں، میں مخالف ہوں"۔ اس جواب سے علی برادران کچھ ناراض ہو گئے تو اعلیٰ حضرت نے تالیفِ قلب کیلئے مکرر فرمایا مولانا میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں۔ ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں۔ سن ۱۹۲۰ء میں ترکِ

موالات کی تحریک ایک طوفان کی طرح اُٹھی اور پورے ملک پر چھا گئی۔ قائداعظمؒ اس تحریک سے الگ تھلگ رہے۔ اور اقبال مرحوم قوم کو نیا شوالہ اور ترانۂ ہندی سناتے رہے۔

سید رئیس احمد جعفری اس تحریک کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یہ زمانہ تھا ترکِ موالات کا، عدم تعاون کا، ایثار و قربانی کا، مرمٹنے اور تباہ برباد ہونے کا۔ سب کچھ لٹا دینے اور دار و رسن کے استقبال کا۔ یہ زمانہ تھا طوفان و حوادث کا، انقلاب کا ایسا طوفان جس نے ملک کے طول و عرض میں طلاطم بپا کر دیا۔ جس نے گمناموں کو اوجِ ثریا پر پہنچا دیا۔ جس نے لیڈروں کو عامی بنا دیا۔ جس نے عامیوں کو زعیم و قائد بنا دیا۔"

(قائداعظمؒ اور اُن کا عہد صفحہ ۹۶)

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

"آخر یہ کیا بات تھی، جناح کے کیمپ میں خاموشی کیوں تھی۔ سناٹا کیوں چھایا ہوا تھا، چہل پہل، گہما گہمی اور ہنگامہ آرائی کیوں ناپید تھی؟ کیا ان کے قوائے عمل شل ہو گئے تھے، زبان گنگ ہو گئی تھی؟ کیا اُن کا دماغ ناکارہ ہو گیا تھا؟ نہیں، یہ بات نہیں تھی۔ جناح کی نظریں حال کے آئینے میں مستقبل کا جلوہ دیکھ رہی تھیں۔"

(قائداعظمؒ اور ان کا عہد صفحہ ۹۷)

قارئین کرام! غور فرمائیں۔ یہ ایسا طوفانی دور تھا۔ جس میں قائداعظم جیسے مقبول لیڈر کو بھی ترک موالات کے خلاف کچھ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

پورا ملک ہندو مسلم اتحاد کی طوفانی لہروں میں بہہ رہا تھا۔ ایسے پُرفتن دور میں جس مردِ مجاہد نے سب سے پہلے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف آواز اٹھائی اور دو قومی نظریہ پیش کیا وہ صرف اور صرف اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قدس سرۂ العزیز کی ذاتِ گرامی تھی۔

ترکِ موالات کے سلسلے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ۱۹۲۰ء میں لاہور اور لائلپور (فیصل آباد) سے یکے بعد دیگرے دو استفتاء ارسال کئے گئے۔ جن کا آپ نے مفصل مبسوط جواب مرحمت فرمایا۔ بعد میں یہ فاضلانہ جواب ایک رسالے کی صورت میں "المحجۃ المؤتمنۃ فی آیت الممتحنۃ" ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء کے تاریخی نام سے

مولانا حسنین رضا خاں نے مطبع حسینی بریلی سے چھپوا کر شائع کیا۔ یہ پورا رسالہ رئیس احمد جعفری نے اپنی تالیف "اوراقِ گم گشتہ" میں شامل کر دیا ہے۔

ترکِ موالات کا پس منظر و پیش منظر

اسلامیہ کالج علی گڑھ (بعد میں اسلامیہ یونیورسٹی) اور اسلامیہ کالج لاہور قوم پرست علماء کی آنکھوں میں بُری طرح کھٹکتے تھے۔ ان کے خیال میں جب تک یہ دونوں خالص مسلم تعلیمی ادارے یونیورسٹی سے الحاق ختم نہ کریں۔ اور گورنمنٹ سے امداد لینے کا انکار نہ کریں۔ "تحریکِ ترکِ موالات" مکمل نہ ہو سکتی تھی۔ ان دونوں مطالبات کا مقصدِ وحید ان تعلیمی اداروں کو مکمل طور پر تباہ کرنا تھا۔ اسلامیہ کالج علی گڑھ کے بعد قوم پرست علماء نے ابوالکلام آزاد کی سرپرستی میں اسلامیہ کالج لاہور کا رُخ کیا۔ ابوالکلام آزاد ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو لاہور پہنچے اور انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل میں ممبران کو ہمنوا بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور اس کے حامیوں نے ابوالکلام آزاد زندہ باد کے نعرے لگائے اور قریب تھا کہ انجمن کے ارکان مولانا کے حق میں رائے دیتے۔ شیخ عبدالقادر مرحوم اپنی جگہ سے اُٹھے اور آزاد کی جذباتی لیکن ناعاقبت اندیشانہ تقریر کا مدلل رد فرمایا۔ اس کے بعد انجمن حمایت اسلام کے سیکرٹری نے فیصلہ کیا کہ ایسے علماء سے رجوع کیا جائے جو مسٹر گاندھی کے حلقۂ اثر سے باہر ہوں۔ اور اعلاءِ کلمۃُ الحق جن کا وظیفہ ہو۔ چنانچہ یہ کام مولوی حاکم علی صاحب پروفیسر سائنس اسلامیہ کالج لاہور کے سپرد کیا گیا۔ انہوں مندرجہ ذیل فتویٰ ترتیب دیا۔

" اللہ تعالیٰ نے ہمیں کافروں اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ تولّی سے منع فرمایا ہے۔ مگر ابوالکلام تولّی کے معنی معاملت اور ترکِ موالات (نان کواپریشن) قرار دے رہے ہیں۔ اور یہ صریح زیادتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کے ساتھ کی جا رہی ہے۔ مذکور نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو جنرل کونسل کی کمیٹی میں تشریف لا کر یہ اعلان کر دیا ہے کہ جب تک اسلامیہ کالج لاہور کی سرکاری امداد بند نہ کی جائے اور یونیورسٹی قطع الحاق نہ کیا جائے تب تک انگریزوں سے ترک موالات نہیں ہو سکتی اور اسلامیہ کالج کے لڑکوں کو فتویٰ

دے دیا ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو۔ لہذا اسطرح کالج میں بےچینی پھیلا دی۔
علامہ مذکور کا یہ فیصلہ غلط ہے۔ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق قائم رکھنے سے اور امداد لینے سے معاملت قائم رہتی ہے نہ کہ موالات لہذا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق اور امداد لینا جائز ہے" (المحجۃ المؤتمنہ ص ۲)

پروفیسر حاکم علی صاحب نے اس فتویٰ کو مع ایک خط کے جو درج ذیل ہے۔ اعلیٰحضرت کی خدمت میں تصحیح و تصدیق کیلئے روانہ کیا۔

" آقائے نامدار مؤید ملت جناب الشاہ احمد رضا صاحب مدظلہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پشت ہذا پر فتویٰ مطالعۂ گرامی کیلئے ارسال کرکے التماس کرتا ہوں، کہ دوسری نقل کی پشت پر اس کی تصحیح فرماکر احقر نیازمند کے نام بواپسی ڈاک اگر ممکن ہوسکے تو آج ہی یا کم ازکم دوسرے روز بھیج دلویں۔ انجمن حمایت اسلام کی کونسل کا اجلاس ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو ہونا قرار پایا ہے۔ اس میں یہ پیش کرنا ہے۔ دیوبندیوں اور نیچریوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا۔ ہندوؤں اور گاندھی کیساتھ موالات قائم کرلی ہے اور مسلمانوں کے کاموں میں روڑے اٹکانے کی ٹھان لی ہے۔ غالم حنفیہ کو ان کے ہاتھوں سے بچائیں۔

نیازمند دعاگو:۔ حاکم علی موتی بازار ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء"

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتویٰ کی تصدیق فرمائی اور لکھا کہ ایسی امداد جو مشروط نہ ہو، جائز ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرتؒ کے اس فتویٰ کو انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل میں پیش کیا گیا۔ اور یہ عظیم درسگاہ اغیار کی دستبرد سے محفوظ ہو گئی۔ اعلیٰ حضرتؒ کا یہ تاریخی اور انقلاب آفریں فتویٰ جو "المحجۃ المؤتمنہ" کے نام سے مشہور ہے۔ ایک ایسی دستاویز ہے، جس نے اس ہولناک اور پرآشوب دور میں ہر موقع پر اور ہر مشکل میں مسلمانانِ ہند کے لئے مشعلِ راہ کا کام دیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، (چودھویں صدی کے مجدد) نے ترکِ موالات کے حامیوں کے تمام اعتراضات کے جوابات دیئے اور گاندھی کے تمام اقوال و افعال کا ایک ایک کرکے اس رسالہ میں ردِ بلیغ فرمایا۔ اور اس حقیقت کو آفتاب سے زیادہ روشن کردیا کہ کوئی بھی

غیر مسلم خواہ ہندو ہو یا عیسائی ۔ مجوسی ہو یا یہودی اسلام اور مسلمانوں کے مقابلہ میں
الکفر ملۃ واحدۃ کا مصداق ہے ۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاںؒ نے ۱۹۲۰ء میں اپنے معرکۃ الآراء مقالہ میں
ہندو مسلم اتحاد کے خلاف فتویٰ دیا اور دو قومی نظریہ پیش کر دیا ۔ اب ہم آپ کے سامنے
تاریخی شہادتوں سے یہ حقیقت واشگاف کرتے ہیں کہ علامہ اقبال مرحوم اور قائد اعظمؒ
نے جداگانہ قومیت کا نعرہ اعلیٰ حضرت کا فتویٰ شائع ہونے کے کتنے عرصہ بعد لگایا
ہے ۔ سید رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں ۔

" ہندو کانگریس کی ذہنیت اور جبلت دیکھ کر علامہ اقبال مرحوم کی فراستِ ایمانی
نے بھانپ لیا تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا کفر و اسلام کا حق و باطل کا مکر و صداقت
کا گزر ایک ساتھ نہیں ہو سکتا ۔ دسمبر ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس (الٰہ آباد)
کی صدارت کرتے ہوئے انہوں نے یہی خواب دیکھا تھا ۔ بے جھجک اور برملا یہ بیان
بھی کر دیا تھا ۔ اگرچہ اس وقت ان کی بات نہیں سُنی گئی ۔" (قائد اعظم اور انکا عہد ص ۲۹۲)

آگے چل کر سید رئیس احمد جعفری ندوی لکھتے ہیں :-

" کانگریسی دورِ حکومت کے تلخ تجربات کے بعد مسٹر جناح کی آنکھیں کھُل گئیں تھیں
اور وہ سوچنے لگے تھے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا سیاسی مستقبل کیا ہوگا ۔ وفاق یا پاکستان
اس زمانہ میں علامہ اقبال مرحوم نے اس موضوع پر متعدد اہم اور قابلِ غور خطوط مسٹر جناحؒ
کو لکھے ۔ چند کا اقتباس ضروری ذیل درج کیا جاتا ہے ۔

جناحؒ کو لکھتے ہیں :-

سوال صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کی غربت کے مسئلہ کا حل کیسے ممکن ہے ۔ لیگ کے
مستقبل کا دار و مدار ان مساعی پر ہے جو اس مسئلہ کو حل کرنے میں وہ اختیار کرے گی ۔
اگر لیگ اس قسم کی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتی تو مسلم لیڈر پہلے کیطرح اس سے بے تعلق
رہیں گے ۔ خوش قسمتی سے اسلامی قانون کے نفاذ اور جدید تصورات کی روشنی میں اس
مسئلہ کا حل نکل آتا ہے ۔ اسلامی قانون کے طویل اور گہرے مطالعہ کے بعد میں نے یہ
نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اگر اس قانون کو اچھی طرح سے سمجھ کر عملی جامہ پہنایا جائے تو کم از کم

ہر فرد کے معاشی حقوق کا تحفظ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس ملک میں شریعت اسلامی کا نفاذ ایک آزاد مسلم مملکت یا چند مملکتوں کے بغیر ناممکن ہے۔ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ اس قسم کے مطالبہ کا وقت آ گیا ہے۔ ” (مکتوب مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء)

اس مکتوب کو نقل کرنے کے بعد سید رئیس احمد جعفری ندوی لکھتے ہیں :۔

” مسٹر جناحؒ اب تک پاکستان کی راہ اختیار کرنے میں تامل کر رہے تھے کہ جواہر لعل نہرو صدر کانگریس نے کلکتہ میں ایک تقریر کرتے ہوئے کہا۔ ملک میں دو ہی جماعتیں ہیں حکومت اور کانگریس۔ مسٹر جناحؒ نے جواب دیتے ہوئے کہا تھا۔ ایک تیسری جماعت بھی ہے اور وہ ہیں مسلمان۔ “

جواہر لعل نہرو کے اس بیان کے بعد علامہ اقبالؒ نے مسٹر جناحؒ کو ایک مکتوب لکھا۔

” صدر کانگریس نے مسلمانوں کے سیاسی وجود سے صریحاً انکار کر دیا ہے۔ ان حالات میں قیام امن کی واحد راہ یہی ہے کہ نسلی، مذہبی اور لسانی مماثلت کے لحاظ سے ہندوستان کی دوبارہ تقسیم عمل میں آئے۔ مجھے یاد ہے کہ انگلستان سے مراجعت سے قبل لارڈ نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہاری سکیم ہی ہندوستان کے درد کا واحد درماں ہے۔ “

(مکتوب مورخہ ۲۱ جون ۱۹۳۷ء قائداعظم اور انکا عہد ص ۲۹۵-۲۹۴)

تنقیحات

۱۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے ”المحجۃ المؤتمنۃ“ تحریر فرما کر دو قومی نظریہ ۱۹۲۰ء میں پیش کیا۔

۲۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال مرحوم نے دو قومی نظریہ کا تصور ۱۹۳۰ء میں پیش کیا۔

۳۔ قائداعظمؒ نے دو قومی نظریہ کو ۱۹۳۷ء میں قبول کیا۔

تقسیم ہند کا تصور

یہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے فیضان اور ان کی تربیت ہی کا اثر تھا کہ صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی نے فسادات بمبئی کے موقع پر ماہ شوال ۱۳۶۵ھ / ۱۹۳۱ء میں فرمایا کہ ہندوستان کو ہندو مسلم علاقوں میں تقسیم کر دیا جائے

اور اعلیٰ حضرت کے دو قومی نظریہ پیش کرنے کے بعد جس شخص نے غیر مبہم اور واشگاف الفاظ میں تقسیم ہند کی سب سے پہلے صدا بلند کی وہ ذاتِ اقدس مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہٗ کی تھی۔ اقبال مرحوم اور قائدِ اعظمؒ تو بہت دور کی بات ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"بمبئی کے ہندو کوشش کر رہے ہیں کہ اپنی دکانیں مسلمانوں کے محلوں سے ہٹا کر ہندو محلوں میں لے جائیں۔ ہندوؤں کے یہ افعال، یہ تجویزیں، یہ طرزِ عمل اتحاد کے ذرا بھی منافی نہیں۔ لیکن مسلمان ایسا کریں تو اتحاد کے دشمن قرار دیئے جائیں۔ یہ کھلی نا انصافی ہے۔ جب ہندو اپنی حفاظت اسی میں سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے محلوں سے علیحدہ ہو جائیں اور اپنی حدود علیحدہ کریں تو مسلمانوں کو یقیناً ان کے محلوں میں جانے اور ان کے ساتھ کاروبار رکھنے سے احتیاط رکھنا چاہیئے۔ دونوں اپنی اپنی حدود جُداگانہ قرار دیں اور اس نقطہ کو ملحوظ رکھ کر سیاسی مباحث کو طے کر لینا چاہیے۔ یعنی ہندوستان میں ملک کی تقسیم سے ہندو مسلم علاقے جُدا جُدا بنائیں تاکہ باہمی تصادم کا اندیشہ اور خطرہ باقی نہ رہے۔ ہر علاقہ میں اُسی علاقہ والوں کی حکومت ہو۔ مسلم علاقوں میں مسلمانوں کی اور ہندو علاقوں میں ہندوؤں کی۔ اب نہ مخلوط و جداگانہ انتخاب کی بحثیں درپیش ہوں گی نہ کونسلوں میں نشستوں کی منازعت کا کوئی موقع رہے گا۔ ہر فریق اپنی حدود میں آرام کی زندگی گزار سکے گا۔ جب ہندو ذہنیت نے بمبئی میں یہ گوارہ کر لیا۔ تو کیا وجہ ہے کہ جدید حکومت کا مسئلہ اسی اصول پر نہ طے کیا جائے۔ (سواد الاعظم مراد آباد جلد ۸ شمارہ ۶ ماہ شوال

(سواد الاعظم مراد آباد جلد ۸ شمارہ ۶ ماہ شوال ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۱ء)

خلاصۂ بحث

۱۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۲۰ء میں ترکِ موالات کی مخالفت کر کے دو قومی نظریہ کی اساس رکھی۔

۲۔ صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی نے ۱۹۳۱ء میں تقسیم ہند کی تجویز پیش کی۔

۳۔ اقبال مرحوم نے ۱۹۳۷ء میں قیام پاکستان کا خاکہ بنایا۔

۴۔ قائد اعظمؒ نے ۱۹۳۸ء میں قیام پاکستان کی تجویز کو قبول کیا۔

غور کیجئے کہ یہ تاریخ کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ جو لوگ قیام پاکستان کے محرکِ اوّل تھے ان کا کوئی نام نہیں لیتا اور بعد کے لوگوں کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ بلکہ جن لوگوں نے تحریکِ پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ انہیں مخصوص مسلک سے وابستگی کی وجہ سے نئی نسل کا محسن ثابت کرنے کے لئے ہر جماعت کے سیلبس میں ان کے تذکرے شامل کر دیئے گئے ہیں۔ فیاللعجب۔ ؎

نیرنگیٔ سیاست دوراں تو دیکھئے

منزل ملی انہیں جو شریک سفر نہ تھے

برصغیر میں دو قومی نظریہ کا بانی تلاش کرنے والے محققین سے التماس ہے کہ اپنے فیصلے سے قبل اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "المحجۃ الموتمنہ" کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔ جو رسائل رضویہ جلد ۲ میں چھپ چکا ہے ؎

مشک آن باشد کہ خود بوید نہ کہ عطار بگوید

کتابیات:-

۱۔ قائد اعظمؒ اور ان کا عہد — سید رئیس احمد جعفری

۲۔ اوراقِ گم گشتہ

۳۔ المحجۃ الموتمنہ — اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں

خوشنویس:- عبدالشکور پیرزادہ

◎
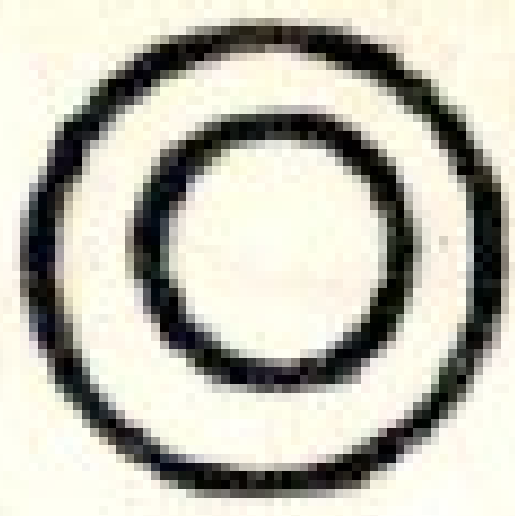
مذہب حقہ اہلسنت کا نشاں ۔ یا رسول اللہ علیک الصلوٰۃ والسلام
ہدایت کا نشان، محافظ ایمان ۔ کنز الایمان، کنز الایمان

حضراتِ گرامی!

کوئی مسلمان یہ نہیں چاہتا کہ وہ ایسا ترجمۂ قرآن خود پڑھے یا دوسروں کو تحفتاً دے جس میں

.... کلامِ الٰہی میں جگہ جگہ عیب اور نقص کو شامل کیا گیا ہو۔

.... خود ساختہ مفہوم و مطالب کو منشاء و مرادِ الٰہی قرار دے دیا گیا ہو۔

.... عصمتِ انبیاء کے عقیدے میں ضلالت و گمراہی کی پیوند کاری کی گئی ہو۔

.... مسلمانوں کے دلوں سے عظمتِ صالحین ختم کرنے کیلئے بتوں والی آیات ان پر چسپاں کی گئی ہوں۔

.... ترجمہ و قرآن کے ضمن میں احادیثِ مبارکہ اور چودہ سو سالہ معتبر اسلامی تفاسیر کو نظر انداز کر کے ذاتی رائے سے قرآن پاک کا ترجمہ کیا گیا ہو۔

بلکہ ہر صحیح العقیدہ مسلمان کے دل کی یہ تمنا ہے کہ وہ ایسا ترجمہ و قرآن خود پڑھے یا دوسروں کو تحفتاً دے جو:

... تقدیسِ الٰہی کا امین ہو۔ ... احادیثِ مبارکہ اور تفاسیرِ معتبرہ کا نچوڑ ہو۔

... ناموسِ رسالت کا محافظ ہو۔ ... فصاحت و بلاغت کا مرقع ہو۔

... عظمتِ صحابہ و اہلبیت کا نگہبان ہو۔ ... بے ادبی و بے حرمتی سے مبرا ہو۔

... مقامِ صالحین کا پاسبان ہو۔ ... گستاخیوں اور گمراہیوں سے منزا ہو۔

اسلئے قرآن مجید خریدتے وقت یا دوسروں کو بتاتے وقت کنز الایمان شریف کا بابرکت نام ضرور یاد رکھیئے۔

۱۔ فرائض و واجبات کی ادائیگی کو ہر کام پر اولیت دیجیئے۔ اسی طرح حرام اور مکروہ کاموں اور بدعات سے اجتناب کیجئے۔ کہ اسی میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

۲۔ فریضۂ نماز، روزہ، حج اور زکواۃ تمام تر کوشش سے ادا کیجیئے کہ کوئی ریاضت اور مجاہدہ ان فرائض کی ادائیگی کے برابر نہیں ہے۔

۳۔ خوش اخلاقی، حسنِ معاملہ اور وعدہ وفائی کو اپنا شعار بنائیے۔

۴۔ قرض ہر صورت میں ادا کیجیئے کہ شہید کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں لیکن قرض معاف نہیں کیا جاتا۔

۵۔ قرآن پاک کی تلاوت کیجئے اور اس کے مطالب سمجھنے کیلئے کلام پاک کا بہترین ترجمہ "کنزالایمان" از امام احمد رضا بریلوی پڑھ کر ایمان تازہ کیجئے۔

۶۔ دینِ متین کی صحیح شناسائی کیلئے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی اور دیگر علماء اہلسنّت کی تصانیف مطالعہ کیجئے۔ جو حضرات خود نہ پڑھ سکیں وہ اپنے پڑھے لکھے بھائی سے درخواست کریں کہ وہ پڑھ کر سنائیے۔

۷۔ تحریری، تقریری، نعتیہ مقابلوں میں اور دیگر مواقع پر انعامات میں اہلسنّت کی تصانیف تحفتاً دیجیے۔

۸۔ ہر شہر اور محلہ میں لائبریری قائم کیجئے اور اس میں علماء اہلسنّت کا لٹریچر ذخیرہ کیجیئے کہ... تبلیغ دین کا اہم ترین ذریعہ ہے۔

۹۔ ہر شہر میں سنّی لٹریچر فراہم کرنے کے لئے کتب خانہ قائم کیجئے۔ یہ تبلیغ بھی ہے اور بہترین تجارت بھی۔

۱۰۔ سربراہِ مملکت یا امیر شرعی کیلئے مقررہ شرائط کے حامل مولانا شاہ احمد نورانی کا ساتھ دے کر اپنے دینی فریضہ کی تکمیل کیجیئے۔

خوشنویس: عبدالشکور پیرزادہ

کلامِ امام احمد رضا
در مدحتِ سید الانبیاء

اللہ کی سرتابقدم شان ہیں یہ
ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں
ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ